

حضرت علی بن عثمان داتا گنج بخش ہجویریؒ

سرزمین غزنی میں بیشمار نامور شخصیات ہوئی ہیں۔ لیکن ان سب میں سے دو ہستیاں ایسی ہیں جن کے اسمائے گرامی تاقیام قیامت زندہ و جاوید رہیں گے۔ ان میں سے ایک سلطان محمود غزنویؒ ہیں جنہوں نے کفر کے ظاہر پر پے در پے سترہ یلغاریں کیں اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور سومنات کو اس طرح پامال کیا کہ آج تک اسے وہ مقام و مرتبہ نصیب نہیں ہوا۔ اور دوسری ہستی حضرت علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی ثم الجھویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جنہوں نے کفر کے باطن پر حملہ کیا اور شرک و کفر سے معمور ہندوستان کی تاریک و سیاہ فضاؤں میں توحید و الوہیت کی انجنت شمعیں روشن کیں، جن کی روشنی و تابندگی روز افزوں پھیلتی گئی اور آج براعظم ایشیاء میں کروڑوں مسلمان موجود ہیں۔

۴۰۰ ہجری کے آخر کی بات ہے کہ غزنی میں عثمان بن علیؓ نامی ایک شخص رہتا تھا جس کا شجرہ نسب حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا تھا۔ بڑا زاہد و عابد تھا۔ لوگ اسے بڑی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کی زوجہ محترمہ بھی بڑی نیک و پارسا تھی۔ ان کا شجرہ نسب حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا تھا۔ اپنے اسلاف کی شرافت و نجابت، عالی ظرفی اور مکارم اخلاق ان دونوں میاں بیوی میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا گھرانہ عوام و خواص کے لئے مرکز عقیدت و محبت تھا اور مصائب و آلام اور رنج و محن میں گرفتار انسان ان کے در اقدس پر حاضر ہو کر طالب دعا ہوتے تھے اور طالبان حق ان سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔

اس نیک و پارسا جوڑے کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اللہ تبارک و تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا و عشق میں بسر ہو رہا تھا کہ قادر مطلق نے انہیں صرف ایک ہی بیٹا عطا فرمایا جس کے دلفریب و پرکشش اور معصوم چہرے سے حسنی جمال اور حسینی جلال ہویدا تھا۔ والدین نے اس کا نام علی رکھا۔

علی بن عثمانؓ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہ بڑا پاکیزہ تھا۔ ہر وقت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز اس کے کانوں میں پڑتی رہتی تھی۔ آثار و قرائن سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ یہ بچہ اپنے وقت کی عظیم شخصیت ہوگا جس کے در سے ایک عالم مستفید و فیضیاب ہو گا۔ والدین کی عارفانہ نظروں نے بھی بھانپ لیا تھا کہ علیؓ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتا ہوا جس کا شجرہ نسب نویں پشت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملتا تھا معرفت الہیہ کے بہت بلند مقام پر فائز ہو گا لہذا وہ اس کی بڑے اچھے انداز میں پرورش کرنے لگے۔

وقت محو پرواز رہا، علی بن عثمانؓ ماں کی گود سے نکل کر پاؤں سے آہستہ آہستہ چلنے اور پھر بھاگنے لگا۔ والدین نے عمر کے لحاظ سے اس کی تربیت کا بھی

آغاز کر دیا اور جب وہ تعلیم حاصل کرنے کی عمر میں پہنچا تو گھر پر ہی اس کی دینی تعلیم کا آغاز کر دیا گیا۔

ان دنوں غزنی میں کوئی ایسی قابل ذکر دینی درسگاہ نہیں تھی جس میں علی بن عثمانؒ کو داخل کرا دیا جاتا۔ مساجد میں زیادہ تر ناظرہ قرآن پاک پڑھایا جاتا تھا۔ تشنگان علم بذات خود کسی معروف عالم دین کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کیا کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود علی بن عثمانؒ کو گھر اور گھر سے باہر ایسا ماحول ضرور میسر آگیا تھا جس نے طلب علم کے شوق کو اس کے اندر فراواں کر دیا اور یہ رب کریم کی خاص رحمت تھی کیونکہ انہوں نے جو اپنے دور کا نقشہ اپنی کتاب ”کشف المحجوب“ میں کھینچا ہے اسے پڑھ کر روح لرز اٹھتی ہے۔ رقمطراز ہیں :

”اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے دور میں پیدا فرمایا جس میں لوگوں نے ہوا و ہوس کا نام شریعت، طلب منصب و جاہ و تکبر کا نام عزت، علم اور خلق خدا سے ریاکاری کا نام خشیت الہی، کینہ پروری کا نام حلم و بردباری، فضول بحث و لڑائی کا نام مناظرہ، منافقت کا نام زہد، ہذیان طبع کا نام معرفت، دل کی دھڑکن کا نام محبت، الحاد کا نام فقر، انکار حق کا نام تزکیہ، بے دینی و زندقہ کا نام فنا، ترک شریعت کا نام طریقت، آفت پھیلانے کا نام معاملت، جنگ اور حماقت کا نام عظمت، نفس کی تاویلات کا نام حجت اور ہوس کو سلوک کا نام دے رکھا تھا۔“

الغرض جس حد تک دینی تعلیم کی تحصیل گھر اور گھر سے باہر ممکن تھی کی۔ لیکن جو کچھ حاصل کیا تھا ناکافی تھا۔ چنانچہ تشنگی علم کو بجھانے کے لئے آپ نے دور دراز علاقوں کا سفر اختیار کیا۔ اس سلسلہ میں شام، عراق، بغداد، مدائن، فارس، کوہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، خراسان، بخارا اور ماورالنہر کے اسلامی علاقوں میں تشریف لے گئے اور وہاں کے نامور علماء و فضلاء کے سامنے زانوئے ادب طے کیا۔ آپ کے ذوق علم کا اندازہ صرف اس بات سے ہی لگایا جاسکتا ہے

کہ صرف خراسان میں ہی تین صد مشائخ و علماء کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور علم و حکمت کے انمول موتیوں سے دامن بھرا۔

ان علاقوں میں آپ کو بڑے بڑے تجربات و مشاہدات ہوئے۔ خراسان کے قیام کے دوران میں ایک دن آپ ایک گاؤں میں پہنچے جس کا نام کند تھا۔ وہاں ایک بزرگ شخص ادیب کمندی رہتا تھا، آپ اس سے ملے۔ پتہ چلا کہ وہ چوبیس سال سے کھڑا ہے اور صرف نماز کے دوران تشہد میں بیٹھتا تھا۔

”یا حضرت اس میں کیا حکمت ہے کہ آپ عرصہ دراز سے کھڑے ہیں۔“
آپ نے پوچھا۔

”ابھی وہ مقام نصیب نہیں ہوا کہ مشاہدہ حق میں بیٹھ سکوں۔“
اس کا جواب سن کر آپ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔

”مشاہدہ حق اور معرفت الہیہ کے لئے عظیم مجاہدہ ریاضت کی ضرورت ہے“
ایک فقرہ آپ کے ذہن کے پاتال پر ابھرا اور پھر آپ سوچوں کے گہرے پانیوں میں اتر گئے اور سینے کے اندر قرب خداوندی کے حصول کے لئے ایک تڑپ پیدا ہوئی۔

جن دنوں آپ بخارا میں علم کی تلاش میں سرگرداں تھے تو کسی نے حضرت شیخ احمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کے زہد و تقویٰ کی تعریف کی۔ زیارت کا شوق پیدا ہوا، لہذا ایک دن ان کی خدمت میں پہنچ گئے۔ وہ بزرگ چالیس سال سے رات کے وقت کبھی سوئے نہیں تھے۔ ذکر و عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ البتہ دن کے وقت مختصر سے عرصے کے لئے آرام فرما لیتے تھے۔ انہیں دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان کا وجود کہہ رہا ہو۔

”محبوب کو راضی کرنے کے لئے عاشق پر نیند حرام ہے۔“

آپ گہری سوچوں کے جزیروں میں کھو گئے اور پھر آپ کے اندر سے ایک آواز

ابھری۔

”مقصد حیات تو یہی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا قرب اور عشقِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہو۔“

جب آپ شام میں تھے تو ایک دن امام العاشقین حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ اقدس پر تشریف لے گئے۔ زمین سے لے کر آسمان تک نور کی چادر تنی ہوئی تھی۔ طمانیت و سکینہ نے گھیرے میں لے لیا۔ آپ ان کے سرہانے کی جانب آرام فرمانے لگے کہ نصیب جاگ اٹھے۔ عالم رویاء میں رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ساتھ ایک ضعیف العمر شخص تھا۔ حضرت علی بن عثمانؓ نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو فوراً قدموں میں گر پڑے اور قدم بوسی سے جنت کی فضاؤں کا لطف اٹھایا اور پھر بصد ادب و احترام عرض کی۔

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کون ہیں؟“

”یہ تیرا اور تیرے دیار والوں کا امام ابوحنیفہ ہے۔“

راحت انس و جان نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تو حضرت علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ کھل گئی۔ امام العاشقین حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے مزار پاک پر حاضری کا یہ انعام تھا کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے سرفراز ہو گئے تھے۔

اس خواب نے آپ پر روشن کر دیا تھا کہ اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت دنیا میں موجود نہیں لیکن احکام شرعی کے لئے ان کا وجود باقی ہے اور ان کے حاصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لہذا اس خواب کے بعد حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے آپ کے دل میں پہلے سے بھی کہیں زیادہ احترام و محبت پیدا ہو گئی اور فقہی مسائل میں ان کی پیروی کو لازم قرار دیا۔

جن علماء، فضلاء و صلحاء و مشائخ کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ طے کیا

ان سب میں سے آپ حضرت ابوالعباس احمد بن محمد الاشقانی اور حضرت ابوالقاسم بن علی بن عبد اللہ الکرگانی رحمہم اللہ سے بے حد متاثر ہوئے۔ اول الذکر سے آپ کو بے حد انس تھا۔ حضرت ابوالعباس احمد الاشقانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے ہونہار اور پاکباز شاگرد پر بہت شفقت فرماتے تھے۔ یہ بزرگ اجل اہل طریقت میں سے تھے۔ شریعت کی بے حد پاسداری فرماتے تھے۔ ان کی طبیعت ہمیشہ دنیا و عقبیٰ سے بے نیاز رہتی تھی۔ وہ اکثر پکار اٹھا کرتے تھے۔

”مجھے ایسی ہستی کی ضرورت ہے جس کا وجود نہیں۔“

بعض اوقات فرمایا کرتے تھے :

”دیدار میں فنا ہو جانا حجاب میں اٹک رہنے سے بہتر ہے۔“

حضرت ابوالقاسم الکرگانی بھی اپنے وقت کے بہت بڑے مشائخ میں سے تھے۔ علمی فنون کے ماہر تھے۔ مریدین کی دلی کیفیات کے بیان کرنے میں کمال حاصل تھا۔ ایک دن حضرت علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ آپ کے سامنے اپنے احوال و مشاہدات بیان کر رہے تھے، پندار طفلی اور جوش جوانی کے عالم میں گفتگو کو طویل کر دیا۔ لیکن وہ آپ کی باتیں بڑے انہماک و غور سے سنتے رہے۔ معاں آپ کے دل میں ایک خیال گزرا۔

”شاید حضرت ابوالقاسم الکرگانی ان مقامات سے نہیں گزرے ورنہ اس انہماک سے نہ سنتے۔“

ادھر آپ کے دل میں یہ خیال گزرا، ادھر ان بزرگ نے فرمایا۔

”بیٹا علی بن عثمان! میرا انہماک تیرے احوال کے لئے نہیں بلکہ اس ذات پاک کے لئے ہے جو خالق احوال ہے۔ یہ چیزیں ہر طالب کو پیش آتی ہیں۔ تیرے لئے کوئی خصوصیت نہیں۔“

یہ سنا تو آپ کے ہوش اڑ گئے۔ جب حضرت ابوالقاسم الکرگانی رحمۃ اللہ علیہ نے

آپ کی حالت کا جائزہ لیا تو فرمایا۔

”طریقت سے آدمی کو صرف اس قدر نسبت ہے کہ جب وہ اس پر گامزن ہوتا ہے تو سمجھتا ہے اس نے منزل کو پایا اور جب بھٹک جاتا ہے تو اپنے تصور کو عبادت میں ڈھالنا شروع کر دیتا ہے۔ نفی و اثبات اور عدم و وجود سب خیالی ہیں اور انسان کبھی خیالات کے دھندلکوں سے نجات نہیں پاتا۔ لازم یہی ہے کہ وہ بارگاہِ صمدیت میں سرنگوں رہے اور بجز مرواگی و فرمانبرداری ہر نسبت یا تعلق سے دستبردار ہو جائے۔“

وقت گزرتا رہا ایک دن آپ نے عرض کیا۔

”حضور! شرط ہم نشینی کیا ہے؟“

سماعت فرمایا تو حضرت ابوالقاسم الکرگانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا۔

”شرط ہم نشینی یہ ہے کہ تو اپنے حصے کا طالب نہ ہو۔ ہم نشینی میں جملہ خرابیاں اسی سے پیدا ہوتی ہیں کہ ہر شخص اپنا حصہ طلب کرتا ہے۔ حصہ طلب کرنے والے کے لئے ہم نشینی سے تنہائی بہتر ہے۔ حقیقی ہم نشینی یہ ہے کہ اپنے حصے سے دستبردار ہو کر ہم نشینوں کے حصے کی پاسداری کرے۔“

غزنی کے دو حصے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام جلاب اور دوسرے کا نام ہجویر تھا۔ ان میں سے ایک میں حضرت علی بن عثمان رحمۃ اللہ علیہ کے دوھیال اور دوسرے میں ننھیال رہتے تھے۔ آپ کے ابتدائی ایام زندگی انہیں دو علاقوں میں گزرے تھے۔ لہذا تحصیل علم کے بعد اپنی اس سکونتِ نسبت کے حوالے سے آپ نے اپنے نام کے ساتھ الجلابی الغزنوی ثم الجویری لکھنا شروع کر دیا اور پھر وقت کے ہم آہنگ الجلابی کا لفظ تو صرف کتابوں تک محدود ہو گیا اور ہجویری نام کا حصہ بن گیا۔

تحصیل علم کے بعد ابھی تک آپ سلوک کی راہوں پر گامزن نہیں ہوئے

تھے۔ لیکن اس دوران ایسے ایسے تجربات و مشاہدات ہوئے تھے جنہوں نے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں کر دی تھی کہ معرفت اللہ کے حصول کے لئے کسی ولی اللہ کے دست حق پرست پر بیعت ہونا لازمی ہے۔ وگرنہ انسان کسی وقت بھی گمراہ ہو سکتا ہے اور نفس و شیطان اس پر غلبہ پاسکتے ہیں۔ لہذا ان سوچوں نے کسی مرشد کی تلاش کے جذبے کو فراواں کر دیا۔ اب آپ کے ذہن کے پاتال پر کئی بزرگ چہرے نمودار ہوئے۔ لیکن سینے کے اندر ان کے لئے کوئی کشش محسوس نہ ہوئی اور یہ قدرتی امر تھا۔ کیونکہ جس ہستی سے فیض عطا ہوتا تھا کشش و جاذبیت تو اس کے لئے پیدا ہونی تھی۔ چنانچہ دور و نزدیک جس کسی ولی اللہ کا نام سنتے ان کی خدمت میں پہنچ جاتے لیکن گوہر مقصود میسر نہ آیا۔

جب تو صادق ہو تو مراد ضرور بر آتی ہے۔ چنانچہ ایک دن آپ حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ کے در اقدس پر پہنچے۔ یہ تفسیر و حدیث کے بہت بڑے معلم اور تصوف میں حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر تھے۔ سلسلہ طریقت میں حضرت ابوالحسن علی الحضری کے مرید تھے۔ چنانچہ جب حضرت علی بن عثمان البجوری رحمۃ اللہ علیہ ان بزرگ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو مضطرب جذبوں کو سکون میسر آگیا۔ ایک عجیب سی کشش ان کے لئے اپنے اندر محسوس کی، دل کہہ رہا تھا کہ جس منزل کی تلاش میں سرگرداں تھا وہ یہی ہے۔ حضرت ختلی رحمۃ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ نووارد نوجوان کن خیالات و جذبات میں گھرا ہوا ہے۔ محبت سے قریب بلایا۔ شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔

”ہم بڑے دنوں سے منتظر تھے۔“

تو آپ کے سامنے منزل روشن ہو گئی۔ قدموں میں گر پڑے اور پھر حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔

حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ وقت کے بہت بڑے ولی اللہ تھے۔

انہوں نے ساٹھ سال عزلت نشینی میں گزارے تھے اور دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھا تھا۔ دنیا بھی ان کو بھول گئی تھی۔ اکثر پہاڑوں پر رہتے تھے۔ زیادہ تر وقت کوہ لکام پر گزرا تھا۔ عمر دراز پائی تھی۔ بڑے رعب و دبدبہ کے مالک تھے۔ اہل رسوم کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے۔ دنیا کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

”دنیا ایک روزہ ہے اور ہم روزہ سے ہیں۔“

مقصد یہ تھا کہ دنیا بہت مختصر ہے اور ہمارا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

حضرت علی بن عثمان الجلابی الغزنوی ثم البجوری رحمۃ اللہ علیہ مرشد کے فرمان کے مطابق عبادت و ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے، ایک دن آپ اپنے مرشد کو وضو کرا رہے تھے کہ آپ کے دل میں ایک وسوسہ پیدا ہوا۔

”جب ہر کام تقدیر کا تابع ہے تو یہ آزاد لوگ کیوں پیروں کے غلام بنے رہیں۔“

مرشد نے نظریں اٹھا کر مرید کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

”علی! معلوم ہونا چاہیے کہ ہر چیز کے لئے کوئی سبب درکار ہے، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ کسی حاجب زاوے کو تخت و تاج عطا فرمائیں تو اسے توبہ کی توفیق عطا فرماتے ہیں اور اپنے کسی دوست کی خدمت اس کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ یہ خدمت حصول تاج و تخت کا سبب بن جائے۔“

جب آپ نے یہ سنا تو دل میں گزرنے والا وسوسہ کہیں غائب ہو گیا اور ذہن صاف ہو گیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ نووارد راہ طریقت تھے اور پھر آپ تیزی سے سلوک کی منازل طے کرنے لگے۔

جب والدین نے دیکھا کہ علی بن عثمان حصول علم کے بعد اللہ کے راستے پر چل نکلا ہے تو شادی کرنے کے لئے کہا۔ حتی الامکان آپ نے گریز کا پہلو اختیار کیا لیکن بالاخر والدین کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا اور آپ کی شادی ہو گئی۔

لیکن قضا و قدر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ متاہلانہ زندگی زیادہ عرصہ تک برقرار نہ رہ سکی اور زوجہ محترمہ واصلِ بحق ہو گئیں۔ ان میں سے کوئی اولاد نہ تھی۔ لیکن آپ کی صفاتی کنیت ابوالحسن مشہور ہو گئی۔ والدین نے دوسری شادی کرنے پر اصرار کیا لیکن آپ نے معذرت کر لی تاکہ یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت و ریاضت کر سکیں۔

اب شب و روز مرشد کی خدمت میں رہ کر قربِ الہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منازل تیزی سے طے کرنے لگے۔ اس طرح کئی سال بیت گئے اور آپ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں سے دوسروں کے لئے فیضِ رسانی کا دروازہ کھلتا ہے۔ اسی دوران میں آپ کے والدین بھی آپ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکے تھے۔ طائرِ وقت تیزی سے نحو پرواز تھا کہ مرشد سے بھی جدائی کا وقت قریب آگیا۔ ان دنوں حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ دریائے بانیا اور دمشق کے درمیان ایک وادی کے کنارے پر واقع ایک چھوٹے سے گاؤں میں قیام پذیر تھے جس کا نام بیت الجن تھا۔ جب ان پر موت کی آثار ظاہر ہونے لگے تو اس وقت مرشد کا سراقدس حضرت علی بن عثمان الجلابی الغزنوی ثم الجوری رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں تھا۔ اس ہنگام کسی دوست کے ناپسندیدہ رویہ کی وجہ سے آپ کی طبیعت کبیدہ خاطر تھی۔ مرشد پر آپ کی دلی کیفیت روشن ہو گئی تو زندگی اور موت کے درمیان جب بہت تھوڑا وقت تھا۔ آنکھیں کھولیں اور آخری نصیحت کی۔

”بیٹا علی! میں تجھے ایک اعتقادی مسئلہ بتاتا ہوں جس پر کاربند ہو کر تم ہر رنج و تکلیف سے محفوظ رہ سکتے ہو۔“

مرشد کی آواز سن کر آپ ہمہ تن گوش ہو گئے۔ آواز پھر کانوں سے ٹکرائی۔

”یاد رکھو ہر حال اور ہر مقام پر نیک و بد رب العزت کی طرف سے ہے اور اس کے کسی کام سے ازراہِ مخاصمت کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے۔“

یہ سنا تو دل پر سے بوجھ اتر گیا اور جب اپنے مرشد کامل حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا تو اطمینان و سکون نے اس پر چادر تان رکھی تھی اور روح قفس غصری سے پرواز کر چکی تھی۔

یہ سانحہ عظیم تھا۔ اس سے بڑا واقعہ مرید کے لئے اور کوئی نہیں ہوتا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ چراغ بجھ جائے جس سے اس نے روشنی حاصل کی ہوتی ہے۔ حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ علیہ جن کی ذات ستودہ صفات سے سلوک و معرفت الہیہ کی راہیں روشن تھیں داغ مفارقت دے گئے تھے لیکن اپنے پیچھے حضرت علی بن عثمان الجلابی الغزنوی ثم البجوری رحمۃ اللہ علیہ کا چراغ روشن کر گئے تھے جنہوں نے اب دوسروں کے سینے میں معرفت الہیہ کے دیئے جلانے تھے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمعیں فروزاں کرنی تھیں۔ رشد و ہدایت کے راستے سجانے تھے اور فیض و عطا کے در باز کرنے تھے۔

والدین کی تربیت، نامور اساتذہ و مشائخ کی تعلیمات اور مرشد کی معیت و قربت سے حاصل شدہ فیوض و انعامات کا تقاضا تھا کہ بھٹکے ہوئے لوگوں کو واصل باللہ کریں اور کفر و الحاد و شرک کے اندھیروں میں گھرے ہوئے افراد کو روشنی میں لائیں۔ مرشد نے ایک مرتبہ سوئے ہندوستان جانے کے لئے فرمایا تھا اس کے جواب میں آپ نے عرض کیا تھا کہ وہاں ان کا پیر بھائی حضرت میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ علیہ جو موجود ہیں لیکن مرشد خاموش رہا۔ لہذا آپ نے کفرستان ہند کی طرف رخ کیا۔ جب آپ کے ارادے کا علم آپ کے احباب حضرت شیخ احمد سرخسی اور حضرت شیخ ابوسعید ہجوری رحمۃ اللہ علیہ کو ہوا تو وہ بھی ہمرکابی کے لئے تیار ہو گئے۔

ہندوستان روانہ ہونے سے قبل آپ ٹاپ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ بعد ازاں وہاں سے قدرے دور ماں کی قبر پر حاضر ہوئے جو اپنے بھائی تاج الاولیاء کے مزار کے متصل مدفون تھیں اور پھر سوئے ہندوستان چل پڑے۔

میلوں کا سفر درپیش تھا، راستے کٹھن، دشوار گزار اور خطرناک تھے۔ زادراہ پاس نہ تھا لیکن ان چیزوں کو خاطر میں لائے بغیر تینوں دوست پاپادہ چلے جا رہے تھے۔ بفضل ایزدی راستے کی مشکلات، نامساعد حالات، مخالفین کی ریشہ دوانیاں اور تشددانہ رویے باعث رکاوٹ نہ بن سکے۔ دوران سفر جہاں قیام فرماتے تبلیغ حق فرماتے۔ گمراہوں کو جادۂ مستقیم دکھاتے۔ تاریک سینوں کے اندر نور و ہدایت کی قدیلیں روشن کرتے ہوئے ۴۳۱ ہجری میں وارد لاہور ہوئے۔

جب آپ لاہور میں داخل ہوئے تو ایک بڑھیا کو دیکھا جس نے سر پر دودھ کا برتن اٹھا رکھا تھا۔ آپ نے اسے رکنے کو کہا تو وہ رک گئی۔

”کیا تم ہمیں تھوڑا سا دودھ دوگی۔“

”ضرور پیش خدمت کرتی مگر یہ دودھ اس ظالم کے لئے لے جا رہی ہوں جسے اگر پتہ چل گیا کہ میں نے اس میں سے کسی کو دودھ دیا ہے تو اپنے کالے علم سے ہمارے جانوروں کا دودھ خشک کر دے گا۔“

بڑھیا نے جواب دیا۔ آپ نے سنا تو متبسم ارشاد فرمایا۔

”اماں! تم اس کا فکر نہ کرو۔ تم ہمیں دودھ دو۔ تمہارے جانوروں کے دودھ میں اللہ برکت دے گا۔“

بڑھیا آپ کی شخصیت و بزرگی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اس نے امید اور خوف کے ملے جلے جذبات سے آپ کو دودھ دے دیا۔ لیکن رات کو جب اس نے جانوروں کا دودھ دہا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی کہ جانوروں نے خلاف معمول اتنا دودھ دیا کہ گھر کے سارے برتن بھر گئے۔ لیکن جب اس کالے علم والے کو اس واقعہ کا علم ہوا تو بہت سیخ پا ہوا۔ چنانچہ اپنے کالے علم کے زور اور استدراجی قوت کے بل بوتے پر اس نے حضرت علی بن عثمان الجلابی الغزنوی ثم الجویری رحمۃ اللہ علیہ کو زیر کرنے کی مقدور بھرکوشش کی لیکن اس کا کوئی حربہ اور تدبیر

کارگر ثابت نہ ہوئی۔ جو بھی عمل کرتا الٹ جاتا اور پھر اس پر حق روشن ہو گیا کہ باطل حق کا مقابلہ نہیں کر سکتا لہذا حاضر خدمت ہوا۔ اپنی حرکات پر اظہار ندامت کیا۔ معذرت خواہ ہوا اور دامن اسلام سے وابستہ ہو گیا۔ آپ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور شیخ ہندی کا لقب عطا فرمایا۔

شیخ ہندی کا اصل نام رائے راجو تھا جس کا سورج بنی کھشتوی راجپوت رائے خاندان سے تعلق تھا۔ فنون حرب و ضرب کا ماہر تھا۔ علم نجوم و ریاضی میں خاصی دستگاہ تھی اور اپنے مذہب کے بارے میں خاصا واقف تھا۔ ان اوصاف کے بنا پر وہ اپنی قوم میں بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا۔

قبول اسلام کے بعد عبداللہ آپ کی خدمت اقدس میں رہنے لگا۔ اس نے خدمت میں کسر نہ اٹھا رکھی اور آپ نے عطا کے خزانے کھول دیئے۔ اس کی ظاہری و باطنی تربیت فرمائی۔ سلوک کے کٹھن راستوں سے گزرا جس سے اسے روحانیت میں بلند مقام حاصل ہوا۔

شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ وہ پہلا چراغ تھے جو حضرت علی بن عثمان جویری رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور میں اپنی آمد کے بعد کفر و شرک کی فضاؤں میں روشن کیا تھا۔ اس کے بعد آپ کے مکارم اخلاق، کرامات، حلم و بردباری، علم و فراست، زہد و ورع اور استقلال و عزیمت سے کفر و الحاد و شرک کی تاریکیاں رفتہ رفتہ چھٹنے لگیں اور لوگ دامن اسلام سے وابستہ ہونے لگے۔

آج کل جہاں آپ کا مزار پاک ہے یہاں گھاس پھوس کی ایک جھونپڑی تھی جس میں آپ رہتے تھے۔ دن تبلیغ اسلام، مخلوق اللہ کی خدمت اور رشد و ہدایت میں اور رات عبادت الہی میں بسر ہوتی تھی۔ وقت گزرتا رہا۔

رات بڑی تیرہ و تاریک تھی، آپ محو عبادت تھے۔ جھونپڑی میں دیئے کی ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ہر طرف خاموشی نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔

جھونپڑی سے باہر دور بہت سے قدموں کی چاپ سنائی دی جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد بہت سے لوگ جھونپڑی کے باہر آکر رک گئے۔
”اندر کوئی ہے؟“

فضا میں ایک آواز ابھری۔ جواب میں حضرت علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ باہر تشریف لائے۔ دیکھا تو وہ ایک بارات تھی۔ باراتیوں میں سے ایک نے کہا۔
”ہم راستہ بھول گئے ہیں۔“

”کونسا راستہ دکھاؤں۔“ آپ نے پوچھا

”سیدھا راستہ“ وہی شخص پھر بولا۔

”سیدھا راستہ تو پھر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔“

آپ نے فرمایا اور باراتیوں پر ایسی نگاہ ڈالی کہ سب کے دلوں میں انقلاب عظیم برپا ہو گیا اور وہ سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

جب آپ کی خدمت میں صرف مریدین حاضر ہوتے تو ان کے احوال کی اصلاح کے لئے اکثر اپنے سفروں کے واقعات بیان فرما کر ان سے جو نتائج حاصل ہوتے ان پر عمل کرنے کے لئے کہتے۔ لیکن جب غیر مسلم آتے تو ان کے سامنے اسلام کی حقانیت واضح کرتے تاکہ وہ لوگ ظلمت سے نور کی طرف آجائیں۔ ایک دن مریدین ہالہ کئے بیٹھے تھے تو آپ نے فرمایا۔

”اپنے سفر کے دوران میں کسی چیز سے اتنا رنجیدہ و کبیدہ خاطر نہیں ہوا جتنا جاہل خدمت گزاروں سے جو مجھے بلاتامل ساتھ لے لیتے اور بڑے آدمیوں اور دہقانوں کے گھروں پر پھرتے تھے۔ میں دلی کراہت سے ساتھ ہو لیتا اور بظاہر درگزر سے کام لیتا۔ مگر دل میں عہد کر لیتا کہ اقامت کے بعد مسافروں سے کبھی یہ سلوک نہیں کروں گا۔ یاد رکھو بے ادبوں کی مصاحبت سے یہی فائدہ ہوتا ہے کہ جو وہ کریں تم اس سے پرہیز کرو۔“

مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے دکھوں کا مداوا چاہتے تھے۔ آپ کی محفل میں ایک ہندو عورت بھی اکثر آکر بیٹھا کرتی تھی اور بڑے ادب و محبت سے آپ کی باتیں سنتی۔ آپ کی طرف دیکھتی رہتی اور جب آپ کی نگاہ اس پر پڑتی تو خوش ہو جاتی اور اٹھ کر چلی جایا کرتی تھی۔ ایک دن اس کے لواحقین حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی۔

”وہ عورت جو اکثر آپ کے پاس آکر بیٹھا کرتی تھی عالم نزع میں ہے اور دم نہیں نکل رہا۔ آپ تشریف لے چلیں۔“

سنا تو آپ ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ کے وہاں پہنچنے کی دیر تھی کہ اس عورت نے آنکھیں کھولیں۔ قرآن پاک کی چند آیات مبارکہ کی تلاوت کی اور آخرت کے طویل سفر پر چل پڑی۔ یہ آپ کی نظر کی تاثیر تھی کہ وہ عورت درپردہ مسلمان ہو گئی تھی اور بوقت وصال آپ کی شہادت ہو گئی تھی کہ وہ دنیا سے مسلمان ہو کر رخصت ہو رہی ہے۔ اس عورت کے گھر والے یہ ماجرہ دیکھ کر سخت متعجب ہوئے اور پھر اس عورت کو مسلمانوں کی طرح دفن کر دیا گیا۔

حضرت علی بن عثمان الجلابی الغزنوی ثم البجوری رحمۃ اللہ علیہ کا قد میانہ۔ جسم سڈول، سینہ فراخ، چہرہ زیادہ گول نہ لانا، سرخ و سپید رنگت، کشادہ پیشانی، گھنے ابرو، رخسار بھرے بھرے، چوڑے اور مضبوط شانے، ریش مبارک گھنی اور آنکھیں کشادہ تھیں۔ جو بھی لباس میسر آتا زیب تن فرما لیتے تھے اور ہمیشہ راضی برضا اور شاکر رہتے تھے۔

ہندوستان کی کفر و شرک سے مسموم فضا میں انگنت رشد و ہدایت کے چراغ روشن ہو گئے تھے اور روز افزوں لوگ اندھیروں سے نور کی طرف سفر کر رہے تھے کہ قادر مطلق کی طرف سے بلاوا آگیا۔ وصال سے قبل چند دن علیل رہے اور پھر اپنے حجرے میں ہی ۹ محرم الحرام ۳۶۵ ہجری کو اپنے اللہ کے پاس

تشریف لے گئے۔

آپ کے بعد حضرت شیخ عبداللہ المعروف شیخ ہندی رحمۃ اللہ علیہ مند سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے جن کا مزار داتا دربار میں اس جگہ ہے جس طرف سے خواتین نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے حاضر ہوتی ہیں۔ ان کے وصال کے بعد ان کی اولاد مزار پاک کی مجاور و متولی ہوئی۔

ہر سال آپ کے مزار پاک کو ۹ محرم الحرم کو غسل دیا جاتا ہے اور پھر اس سے چالیس روز بعد ۱۹ صفر المظفر کو سالانہ عرس ہوتا ہے جس میں دور و نزدیک سے لوگ حاضر ہوتے ہیں اور نذرانہ عقیدت و محبت پیش کرتے ہیں۔

آپ کا در فیض صدیوں سے کھلا ہے۔ بڑے بڑے اولیاء اللہ نے آپ کے در پر حاضری دی ہے اور فیض بھی حاصل کیا ہے۔ زمانے نے کئی کروٹیں لیں اور پھر ایک دن ایک اللہ والا حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور آپ کے مزار کے سامنے ایک حجرہ میں چالیس روز عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ اس دوران میں بے حد فیوض و برکات اور روحانی انعام و اکرام سے بہرہ ور ہوئے۔ بوقت رخصتی ان کے لبوں سے بے ساختہ نکلا ۔

گنج بخش فیض عالم منظر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کلاماں را رہنما

گنج بخش کا لفظ ایک ولی کامل کی زبان سے نکلا تھا جو لوگوں کے دلوں اور روحوں میں نقش ہو گیا۔ یہ لقب اس قدر زبان زد عام و خاص ہوا کہ اکثریت کو آپ کا نام بھی یاد نہیں رہا اور آج آپ ہر طرف حضرت داتا گنج بخش بھویری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے ہی مشہور ہیں۔ آپ کے مزار اقدس پر صبح و شام لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ ان میں عام و خاص اور خاص الخاص سب ہوتے ہیں اور اپنے اپنے ظرف و استعداد کے مطابق فیوض و برکات سے جھولیاں بھر کر

لے جاتے ہیں۔

آپ کی زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں کسی لمحے اللہ کی یاد سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے سب اس کے ہو جاتے ہیں اور اس کے نام کو دوام مل جاتا ہے، فیض کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جس سے لوگ آسانیوں کے سائے میں واصل باللہ ہو جاتے ہیں۔